حضرت مولانا محمد عیسیٰ منصوری *

ڈاکٹر محمد حمید اللہ
عالم اسلام کا ایک عظیم محقق و مصنف

ابتدائی تعلیم:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد (دکن) بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تعلیم و تربیت کے مختلف مراحل بھی اسی سرزمین میں طے کئے۔ حیدر آباد اس وقت اہل علم، مرکز اور علوم اسلامیہ کا گہوارہ تھا سلطنت مغلیہ کے سقوط اور انگریزوں کے تسلط کے بعد بچی کچی نیم مختار مسلم ریاستوں میں حیدر آباد ہندوستان کی سب سے بڑی مسلم ریاست تھی جس کی آبادی اور رقبہ تقریباً موجودہ پاکستان کے برابر تھا سلطنت آصفیہ حیدر آباد کے اہل علم و فن کی قدر شناسی کی وجہ سے برصغیر کے بیشتر صاحب علم و فن کا ملجیٰ و ماویٰ اور غلام ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور علم و فکر کا سب سے بڑا گہوارہ بن گئی تھی آپ نے اعلیٰ تعلیم کے مراحل بھی حیدر آباد میں واقع برصغیر کی سب سے بڑی اور پہلی اردو یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ میں طے کئے اس وقت وہاں خوش قسمتی سے برصغیر کے اساطین علم و فن کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی جن میں خاص طور سے مولانا مناظر حسن گیلانی جو حضرت شیخ الہند کے تربیت یافتہ اور خاص شاگرد تھے اور مولانا عبدالباری ندوی جن کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے کہا تھا کہ کسی ہاتھ پر کوئی فلسفی مسلمان ہوتا ہے مگر عبدالباری کے ہاتھ پر فلسفہ مسلمان ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا حصول علم میں انہماک و یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی غیر حاضر رہے اور نہ جماعت و کلاس میں دیر سے پہونچے۔ آپ نے جامعہ عثمانیہ سے ایم اے، ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں، لیکن علم کی تشنگی اور تحقیق و جستجو کا ذوق روز افزوں تھا۔ چنانچہ اعلیٰ تعلیم و ریسرچ کے لئے یورپ کا رخ کیا۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی میں بنیادی طور پر بین الاقوامی قانون International Law کے طالب علم رہے ہیں۔ اسی موضوع پر آپ نے ۱۹۳۲ء میں پیرس کی مشہور زمانہ یونیورسٹی سوربون سے ڈاکٹریٹ کیا۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون کے مطالعہ اور خاص طور پر امام محمد بن حسن شیبانی (جو امام ابوحنیفہؒ کے خاص شاگرد اور جانشین اور آپ کے علم و فقہ کے ناقل و پھیلانے والے ہیں دوسری صدی ہجری میں

---

* چیئر مین ورلڈ اسلامک فورم، لندن

سب سے زیادہ فقہی تصنیفات امام محمدؒ ہی کی ہیں فقہ حنفی میں آپ کی مشہور کتب المبسوط' الجامع الکبیر' الزیادات' الجامع الصغیر وغیرہ ہی سے ماخوذ ہے") کی کتاب السیر الکبیر نے ڈاکٹر صاحب کو عربی علوم خاص طور پر قانون اسلامی متخصص (expert) بنادیا۔ امام محمدؒ کی یہ کتاب السید الکبیر جو دنیا میں بین الاقوامی قانون کی پہلی کتاب مانی جاتی ہے' اس سے ایک سال پہلے ۱۹۳۱ء میں آپ بون یونیورسٹی (جرمنی) سے اسلام کے بین الاقوامی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کر چکے تھے۔

<u>ڈاکٹر صاحب کے چند امتیازی اوصاف:</u> ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب' عالم اسلام کی منفرد شخصیت اور عظیم سکالر ہیں۔ جنہوں نے گزشتہ صدی میں اس قدر متنوع اور وسیع علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اس میں کوئی دوسرا عالم و محقق آپ کا شریک و ہمعصر نظر نہیں آتا۔ قرآن' حدیث' فقہ' تاریخ' سیرت' ادب' تقابل ادیان اور انٹرنیشنل لاء وغیرہ وغیرہ موضوعات پر گرانقدر و بیش قیمت کتابیں لکھیں۔ موضوعات کے تنوع کے اس امتیازی شان کے علاوہ موصوف کا دوسرا بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے بیک وقت اردو' انگریزی' فرانسیسی' جرمنی' فارسی' اور ترکی چھ زبانوں میں لکھا۔ اس کے علاوہ آپ یورپ کی متعدد زبانیں بھی جانتے ہیں۔ یقیناً ہفت زبان عالم و محقق ہیں جو روانی سے دنیا کی ۷۔۸ بڑی زبانیں لکھ بول سکتے ہیں۔ آپ کا تیسرا بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ و تفسیر اور سیرت نبویؐ پر جامع کتاب لکھی جو اس قدر مقبول ہوئیں کہ لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوئیں۔ آپ کا چوتھا بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بے شمار لوگ مسلمان ہوئے' تقریباً پچاس سال اس طرح گزارے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا ہو کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر دو چار آدمی مسلمان نہ ہوئے ہوں۔ ان مسلمان ہونے والوں میں فرانس کے بڑے بڑے اسکالر اور دانشور قسم کے لوگ شامل ہیں جیسے فرانس کا نامور محقق و اسکالر بکائی جنہوں نے بائبل' قرآن اور سائنس جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھی۔ ایک اندازے کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر تقریباً 30 ہزار فرانسیسی مسلمان ہوئے۔

<u>آپ کی تصانیف اور علمی تحقیقات پر ایک نظر:</u> ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کا شمار بیسویں صدی کے کثیر التصانیف محقق' علماً میں ہے' آپ کی زندگی کے ستر سال مطالعہ' تحقیق' اور تصنیف و تالیف میں گزرے۔ آپ کے قلم سے 100 کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں اور ایک 1000 ہزار کے قریب گرانقدر علمی و تحقیقی مقالات نکلے۔ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی میں پورے عالم اسلام میں اتنا وسیع' علمی' تحقیقی کام اور کسی کے قلم سے نہیں ہوا۔ آپ کے قلم سے نکلی ہوئی ہر کتاب و مضمون ریفرنس و حوالہ کا کام دیتا ہے۔ آپ کی ایک ایک کتاب و مقالہ سے متعدد کتابیں تیار ہو سکتی ہیں' آپ کی تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں الفاظ کی بھرمار اور پھیلاؤ کی بجائے ٹھوس علمی' تحقیقات اور مغز ہی مغز ہے۔ ہم مختصر طور پر آپ کی چند گرانقدر تصانیف کا جائزہ لیتے ہیں۔

الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی و الخلافۃ الراشدۃ: یعنی عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کی سیاسی دستاویز' یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں سب سے اہم اور علمی تحقیق کا شاہکار ہے۔اور عالم عرب میں انتہائی مقبول ہے۔اس کے متعدد ایڈیشن مصر و بیروت سے چھپ چکے ہیں۔یہ کتاب دنیا بھر کے علمی حلقوں میں حوالہ (Reference) کی کتاب مانی جاتی ہے' اگر چہ اس موضوع پر پہلے بھی ہندوستان و عالم عرب میں متعدد لوگوں نے قلم اٹھایا مگر ڈاکٹر صاحب کی کتاب اپنی جامعیت' حسن ترتیب اور تحقیق کے اعتبار سے سب پر فائق اور عظیم علمی دستاویز ہے۔یہ وہی موضوع ہے جس پر آپ نے پیرس کی مشہور زمانہ یونیورسٹی سوربون سے ڈاکٹریٹ کیا تھا اس تحقیق و علمی دستاویز کا نقش اول نبویؐ دستاویز' فرنچ ترجمہ کے ساتھ ۱۹۳۵ء میں پیرس سے دو جلدوں میں شائع ہوا تھا

عہد نبویؐ کے میدان جنگ یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۳۹ء میں فرانسیسی میں چھپی تھی' اس کا اردو ترجمہ خود ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے قلم سے ۱۹۴۰ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے خود دورِ نبوی کے غزوات و جنگوں کے موقع و میدان (بدر' احد' حنین' تبوک) وغیرہ جا کر پوری تحقیق سے ان مقامات کے نقشے اور فوٹو تیار کروا کر اس میں شامل کئے۔جس سے علی وجہ البصیرت سرور عالم ﷺ کی عسکری حکمت عملی و بصیرت کا سلسلہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔گزشتہ نصف صدی میں جن علماء' مصنفین نے اس موضوع پر لکھا ہے' انہوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا' خاص طور پر سے جنگ کے نقشے اسی کتاب کے حوالے سے نقل کئے۔یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور تحقیقات سے پُر ہے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ: ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ علم حدیث کی نہایت وقیع خدمت انجام پائی وہ یہ کہ مشہور راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد رشید اور مشہور تابعی و محدث حضرت ہمام بن منبہ' (وفات ۱۳۰ھ) کا مشہور مجموعہ احادیث جو دور صحابہ میں مرتب ہوا تھا' آپ نے برلن (جرمنی) میں دریافت فرما کر ایسے جدید اسلوب تدوین کے مطابق مرتب کر کے شائع کیا۔اسی طرح امام بخاری کا مشہور مجموعہ احادیث الجامع الصحیح البخاری کا مکمل اشاریہ مرتب فرمایا۔جو نہایت پیچیدہ اور دشوار کام ہے۔یہ طبع ہو جائے تو علم حدیث کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے علمی و تحقیقی ذوق کی بدولت کتنی ہی قدیم کتابیں اور ماخذ آپ کی تحقیق سے زندہ ہو گئے۔جن میں خاص طور پر تیسری صدی ھجری کے مشہور مورخ البلاذری کی کتاب انساب الاشراف کی پہلی جلد ہے۔جو سیرت نبویؐ پر نہایت اہم ماخذ ہے۔اس کتاب کی چوتھی اور پانچویں جلد کا کچھ حصہ ایک یہودی مستشرق گوئین القدس (یروشلم) سے شائع کر چکا تھا۔سیرت نبویؐ کے موضوع پر ایک دوسری نہایت اہم دستاویز اور بنیادی کتاب مشہور مورخ ابن اسحاق کی المبتداء المبعث والمغازی ہے۔جسے ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی ذوق نے مراکش کے قدیم شہر فاس کی جامع قرویین کے کتب خانے سے تلاش کر کے شائع کیا۔یہ ڈاکٹر صاحب کی سیرت کے موضوع پر نہایت اہم خدمت ہے۔جسے خاص طور پر

عرب علماء نے سراہا۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی اور انگریزی زبان میں محمد رسول اللہ ﷺ نام سے سیرت پر نہایت جامع و مستند کتاب دو جلدوں میں لکھی جس کے بیسیوں ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور بہت مقبول ہوئی۔ نیز ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کی بدولت قدیم مخطوطات سے ایک اہم کتاب یعنی علم نباتات پر تیسری صدی ہجری کے مشہور مورخ ادیب و محقق ابوحنیفہ الدینوری کی النباتات کی ایک جلد ایڈٹ کی اس کتاب کی تیسری اور پانچویں جلد کا کچھ حصہ ایک جرمن مستشرق برنہارڈ ویوین' ایڈٹ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کردہ یہ دوسری جلد ۱۹۹۳ء میں کراچی کے مدینۃ الحکمۃ نے شائع کی یہ کتاب نباتات کے علاوہ قدیم عربی ادب کی بھی نہایت اہم کتاب ہے کہ اسمیں عربی کے سینکڑوں اشعار پائے جاتے ہیں۔

فرانسیسی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر: آپ کا سب سے عظیم کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن حکیم کا نہایت مستند ترجمہ و تفسیر لکھنا ہے جو بے حد مقبول ہوا ہے اور بے شمار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ آج سے تقریباً بیس سال پہلے ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر صاحب اس کے بیسوں ایڈیشن کی پروف ریڈنگ نظر ثانی کر رہے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر ایڈیشن کو جدید تحقیقی اور عصری علوم سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس پر نظر ثانی کرنے کے بعد طباعت کے لئے پریس کو دیتے' اس کا ہر ایڈیشن دس سے بیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ خدمت قرآں کے سلسلہ میں آپ نے تقریباً پینتیس برس پہلے تراجم قرآن حکیم کی بائیبلوگرافی 'القرآن فی کل لسان' مرتب کی تھی' جس میں دنیا بھر کی ایک سو بیس زبانوں میں قرآں حکیم کے تراجم کا تذکرہ اور بطور نمونہ سورۂ فاتحہ کے تراجم درج ہیں۔

اس سے آپ کے علمی ذوق وشوق اور ان تھک محنت کا پتہ چلتا ہے زندگی کے اخیر تک تراجم قرآن کے مکمل نسخے جمع کرنے کی مہم جاری رہی۔ کاش یہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے تو عجائب روزگار کتاب ہوگی۔ دیگر اہم تصانیف میں آپ کی مرتب کردہ السیر والکبیر کی چار جلدیں ترکی زبان میں بھی چھپ چکی ہیں۔ اسی طرح عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی ' رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' اسلامی اصول و قانون اور نظریہ دستور کا ارتقاء' امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی' عہد نبویؐ کا نظام تعلیم' سلطان ٹیپو اور اردو کی ترقی' یورپ میں ادبی نشاۃ ثانیہ' سلطنت مسقط و عمان' مشرق میں انقلاب کے لئے روسی تدابیر' سرور کائناتؐ کی حکومت غرض ڈاکٹر صاحب کے قلمی گوہر پارے سو سے زیادہ کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ نیز آپ نے علامہ اقبال کی بال جبریل اور خطابت کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرایا۔ اسی طرح دنیا کے مختلف بین الاقوامی جرائد اور مختلف زبانوں میں ۱۹۹۲ء تک آپ کے ۹۲۱ مقالات شائع ہو چکے ہیں' آپ کی بعض کتابوں اور مضامین کا ترجمہ چینی اور جاپانی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا اسلوب تحریر: ڈاکٹر صاحب کا طرز تحریر نہایت شگفتہ' شستہ' پروقار اور ادبی ہے' آپ مناظرانہ و جارحانہ انداز کبھی اختیار نہیں فرماتے' بلکہ قدیم و جدید ماخذ کے تحقیقی و تقابلی مطالعہ کے بعد اپنے نتائج فکر

نہایت محتاط مثبت اور علمی طریقے سے پیش کر دیتے ہیں چنانچہ آپ کی تحریر کا یہ سائنٹیفک اور استدلالی و استنباطی مجتہدانہ اسلوب جدید دور کے سنجیدہ علمی فرق کو بہت متاثر کرتا ہے، خاص طور پر مغرب کے دانشوروں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے نہایت مفید ہے۔ آپ کے اسلوب تحریر کے متعلق مدیر تکبیر جناب صلاح الدین شہیدؒ لکھتے ہیں یہ طالب علم اور معلم دونوں حیثیتوں سے ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی یورپ (جرمنی، فرانس) میں گزری لیکن ان کی فکر و تحریر پر مغربی فکر و تہذیب کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا وہ دیوبند، ندوہ جیسی دینی درسگاہ کے فاضل استاد کا سا اسلوب نگارش رکھتے ہیں۔ جس میں اساسیات دین پر گہرے اعتقاد کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ وہ جدید ترین دنیا کے شہری اس کے علوم کے شناور اور اس کے انتہائی ترقی یافتہ باشندوں کے استاد ہیں مگر اپنی فکر اور اپنی تحریر کے لحاظ سے وہ علماء سلف اور متقدمین میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ آپ کی اسلامی فکر اور مشرقی تہذیب یورپ میں ساٹھ سال رہائش کے باوجود ذرا متاثر نہ ہوئی بلکہ اس نے الٹا اہل یورپ کو متاثر کیا اور ہزار ہا افراد کو اسلام کی آغوش میں پہنچا دیا۔ (ہفت روزہ تکبیر فروری ۹۲)

کامل یکسوئی کے ساتھ علمی و تحقیقی خدمات: ڈاکٹر صاحب کے قلم سے جس قدر وسیع پیمانے پر علمی و تحقیقی کام ہوا وہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، علم کے لئے وقف کر دے۔ چنانچہ آپ نے جس یکسوئی اور انہماک کے ساتھ علمی کام کیا اس کی نظر شاید عہد سلف ہی میں کوئی ملے تو ملے۔ انہیں بجا طور پر ابن علم، علم و تحقیق کا فرزند کہا جا سکتا ہے ہفت روزہ تکبیر کے مدیر جناب صلاح الدین شہید لکھتے ہیں:

کسی کے اعلیٰ نصب العین یا مشن کے لئے زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دینے کی بات محاورۃً سنی تھی لیکن اس کا کوئی عملی نمونہ دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، نامور زعماء اور اکابرین کی زندگی کا کچھ نہ کچھ وقت اہل خانہ، اعزاء دوست احباب اور مختلف نوعیت کی معاشرتی تقریبات کی نذر ہو جاتا ہے اور اجتماعی زندگی میں ایسا ہونا ناگزیر ہے لیکن پیرس کے سفر میں اسلام کے ایک ایسا خادم کو دیکھنے کا موقع ملا جس کی زندگی مختصر نیند اور ضروری حاجات کے سوا پوری کی پوری اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہے۔ اس میں نہ بیوی بچوں کا کوئی دخل ہے، نہ کسی ملازم و رفیق کی کوئی گنجائش نہ اعزہ، دوست احباب یا تقریبات کا کوئی جھمیلا، حتیٰ کہ ٹیلیفون تک کی کوئی جھنجھٹ نہیں۔ وقت کا ہر لمحہ اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام (اور علم و تحقیق) کے لئے وقف ہے اور اس میں ایسا انہماک اور تسلسل ہے کہ دم لینے کی مہلت نہیں، بس یہ فکر ہے کہ ۸۴ سال کی عمر ہو چکی ہے کہیں فرشتہ اجل نے آدبوچا، اپنے رب کا سامنا ہوا اور اس نے پوچھا کہ میں نے جو نعمتِ دین تمہیں عطا کی تھی اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے تم نے کیا کیا تو میں وہاں کیا منہ دکھاؤں گا، ندامت و شرمندگی سے بچنے کے لئے کچھ تو زادِ راہ ساتھ لے لوں باقی سہارا اس کے عفو و درگزر اور عطا و بخشش کا مل جائے گا۔ (ہفت روزہ تکبیر ۶ فروری ۱۹۹۲)

فرانس کی ہجرت اور پیرس میں مستقل قیام: ڈاکٹر صاحب ۱۹۳۲ء میں اسلام کے بین الاقوامی قانون پر

بون یونیورسٹی (جرمنی) سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور اس کے اگلے سال سوربون یونیورسٹی پیرس سے ڈپلومیسی کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں پڑھانے لگے۔ ۱۹۴۸ء میں سقوط حیدرآباد کے بعد وہاں رہنا مشکل ہوگیا، ہجرت فرما کر پیرس چلے آئے اس وقت ۱۹۴۸ء سے پیرس میں اس کمرے میں رہائش پذیر رہے۔ جہاں طالب علمی کے زمانہ میں رہے تھے اور یہاں ایک تحقیقاتی ادارے سے وابستہ ہوگئے، آپ کے پاس تاحیات کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں تھا، حکومت فرانس نے آپ کی مہاجرت کی ایک سند جاری کردی تھی، وہی ان کا پاسپورٹ تھا اسی پر بیرون ملک سفر کرتے گویا کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شہریت آفاقی تھی۔ آپ نے پیرس کے محلے ویتو انوں کے مکان نمبر ۱۰۴ کی چوتھی منزل پر ٹھکانہ بنالیا تھا، جس میں لفٹ تک نہیں تھی کمرہ تک پہنچنے کے لئے اسی (۸۰) کے قریب سیڑھیاں چڑھنی پڑتی تھیں، جب کبھی جانا ہوا، خیال آتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب پیرانہ سالی میں بار بار کس طرح اترتے چڑھتے ہوں گے، مگر وہاں زندگی زہد ومجاہدہ سے عبارت تھی جب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جانا ہوا وہ ہم سے آگے نکل گئے۔ سب کے سانس پھولے ہوئے، قدم بھاری مگر ڈاکٹر صاحب پر تعب کا ذرا اثر نہیں، ہشاش بشاش، یہ ایک درمیانی سائز کا کمرہ تھا، ان کے کمرے میں جاکر محسوس ہوتا گویا کتابوں کے کسی گودام میں آگئے ہوں، ایک بوسیدہ صوفہ، فائلوں اور کتابوں سے لدی ہوئی ایک پرانی میز اسٹیل کی، تین چھوٹی چھوٹی کرسیاں، کتابوں کے بڑے بڑے بکسوں اور کریٹوں کے درمیان جمی ہوئی بلکہ پھنسی ہوئی ان پر بیٹھنے سے قبل انہیں کتابوں اور فائلوں کے بوجھ سے آزاد کرانا ضروری تھا۔

<u>مستقل قیام کے لئے فرانس کو ترجیح دینے کی وجہ:</u> ایک مرتبہ ایک سوال کے جواب میں فرانس میں قیام کو ترجیح دینے کی وجہ بیان فرمائی کہ ایسے علمی اور تحقیقی ادارے اور کہیں نہیں ہیں۔ یہاں اسی (۸۰) لاکھ اور ایک کروڑ کتابوں پر مشتمل ایسی متعدد لائبریاں موجود ہیں جن میں موضوع کے متعلق ہر زبان میں کتابیں یکجا مل جاتی ہیں۔ مشہور لائبریری السنۃ الشرقیۃ میں تیس لاکھ کتابیں موجود ہیں، اور یہاں کا ماحول نسبتاً زیادہ پرسکون اور علمی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق اگرچہ فرانس میں اسلام دشمنی کا جذبہ بہت شدید ہے۔ الجزائر میں جو کچھ ہوا (اور اب بھی جو کچھ ہورہا ہے) وہ اس کا واضح ثبوت ہے، لیکن اس کے باوجود صرف پیرس میں ایک لاکھ کے قریب فرانسیسی مسلمان ہوچکے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والے فرانسیسیوں کا یومیہ اوسط ۸ سے ۱۰ ہے اس میں خواتین کی بڑی تعداد شامل ہے۔ فرانس کی دوسری بڑی اکثریت مسلمان ہے۔ اور یورپ میں جتنے مسلمان مجموعی طور پر بستے ہیں اتنے صرف فرانس میں ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فرانس میں چالیس لاکھ کے قریب مسلمان ہیں۔ جن میں بڑی تعداد الجزائر، تیونس، اور مراکش کے عربوں کی ہے۔ پیرس اور فرانس کے اسکالرز خاص طور پر مذہبی رہنماؤں سے ڈاکٹر صاحب کے نہایت خوشگوار تعلقات رہے۔ تحفوں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ وہاں کے بڑے بڑے مذہبی رہنما ڈاکٹر صاحب کا نہایت

احترام کرتے تھے۔فرانس کی علمی مجالس ومباحث میں اکثر اسلام کی ترجمانی ڈاکٹر صاحب کے حصہ میں آتی '۱۹۹۲ء میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق عیسائیوں' یہودیوں اور مسلمانوں کے نقطہ نظر کا طویل پروگرام چلا' اس وقت بھی اسلام کے نقطہ نظر کی ترجمانی ڈاکٹر صاحبؒ نے کی۔یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں جن کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔اس نسبت سے یہودی اسرائیلی کہلاتے ہیں۔جبکہ قرآن اور اسلام ذبیح حضرت اسماعیل کو قرار دیتا ہے' ڈاکٹر صاحب نے خود یہودیوں کی کتابوں اور تاریخ سے ثابت کیا کہ قرآن کا بیان ہی صحیح ہے' یعنی ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں اس پر کئی یہودی علماء نے تنہائی میں مل کر کہا کہ آپ کے دلائل نہایت مضبوط و مستحکم ہیں لیکن ہم اگر آپ کی تحقیق کو صحیح مان لیں تو ہمارا سارا مذہب ہی باطل قرار پائے گا۔

فرانس میں ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات: ڈاکٹر صاحب نے فرانس میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی دینی خدمات کے لئے جمعیۃ الصداقۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک تنظیم قائم فرمائی تھی اس جمعیت کی طرف سے برسہابرس تک فرانسیسی زبان میں ایک ماہنامہ ''فرانس اسلام'' شائع ہوتا رہے' ڈاکٹر صاحب خود اس کے مدیر اور خازن بھی تھے۔اس جمعیت کی طرف سے بہت سی اسلامی کتابیں بھی شائع ہوئیں اور ہفتہ وار دینی لیکچر کے پروگرام بھی ہوتے رہے اس جمعیت نے پیرس کے شوازی لروا کے مقام پر ایک مکان خرید کر اس کو مسجد بنایا جس میں سابق وزیراعظم میاں نواز شریف صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر ۵ لاکھ فرانک (ایک لاکھ ڈالر) عطا کئے تھے۔ڈاکٹر صاحب طویل عرصہ تک انقرہ (ترکی) کی ارض روم یونیورسٹی میں ہر ہفتہ لیکچر دینے جاتے رہے۔اس کے لئے ہر ہفتہ پیرس سے انقرہ و ترکی کا سفر فرماتے۔اس طرح کوالالمپور (ملیشیاء)' قاہرہ' استنبول اور دیگر یورپی ممالک کی یونیورسٹیوں میں بھی ڈاکٹر صاحب نے جا کر لیکچر دیئے البتہ برطانیہ سے شدید نفرت کے باعث یہاں تشریف نہیں لائے۔

پاکستان کے لئے ڈاکٹر صاحب کی خدمات: ڈاکٹر صاحب پاکستان میں آئین سازی کے ابتدائی مرحلے میں گرانقدر خدمات انجام دے چکے ہیں' اس کام کی خاطر ۱۹۴۸ء میں زمین فرانس سے پاکستان تشریف لے گئے۔جہاں علامہ سید سلیمان ندوی' مولانا ظفر احمد انصاری' اور دیگر علماء کے ساتھ مل کر پاکستان کی آئین سازی علماء کے ۲۲ نکات اور نظام تعلیم کے خاکہ کی تیاری میں شریک رہے مگر وہاں کی آئی سی ایس بیوروکریٹس (طبقہ افسران) نے ان عظیم اسکالر کی قدر نہیں کی۔اور انہیں کام کرنے کی سہولتیں مہیا نہیں کیں تو وہ بددل ہو کر پیرس واپس آ گئے' جہاں ان کی خوب قدردانی ہوئی۔آپ برسوں تک پیرس سے بحیثیت وزیٹنگ پروفیسر انقرہ ارض روم یونیورسٹی اور دیگر ممالک کی یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے جاتے رہے۔فرانس کی وزارت تعلیم کے تحت اورینٹل اسٹڈیز ریسرچ سینٹر قائم ہے' جس میں ایسے صاحبان علم کو رکھا جاتا ہے جو مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب ۲۵ سال تک اس سے وابستہ رہے اور اس کے وظیفہ پر آپ کا گزارہ تھا۔

حکمرانوں سے استغناء اور بے نیازی: ڈاکٹر صاحب کے اوصاف حمیدہ میں ایک وصف حکمرانوں اور ملوک سے استغناء بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان لوگوں میں تھے جو اپنی ذات' خدمات' کام اور حالات کا حتی الامکان اخفا کرتے ہیں۔ ایک بڑے عربی اخبار کا مدیر کئی دنوں تک ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں آپ کے حالات اور خدمات معلوم کرنے کے لئے رہا۔ ڈاکٹر صاحب علمی سوالات کے جوابات دیتے رہے۔ مگر اپنی ذات کے بارے میں کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ ۱۹۹۲ء میں پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف صاحب نے بار بار درخواست کی کہ حکومت پاکستان کو خدمت کا موقع دیجئے تو ڈاکٹر صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پھر نواز شریف نے حکومت پاکستان کی طرف سے ایک خادم کی پیش کش کی مگر آپ نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ نیز وزیراعظم نے پاکستان تشریف آوری کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی تشریف آوری پاکستان کے لئے بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ تو فرمایا وہاں آکر میں کیا خدمت کرسکوں گا۔ یہاں ہمہ وقت تحریری کام اور نومسلم فرانسیسیوں کی تعلیم وتربیت میں لگا رہتا ہوں۔ میری غیر حاضری سے کام متاثر ہوگا۔ اسی طرح جنرل ضیاء الحق صاحب کی درخواست پر بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں جب لیکچر دینے کے لئے تشریف لائے (یہ یادگار علمی خطبات کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں) اس وقت جنرل صاحب نے پاکستان روکنے کے لئے بہت منت سماجت کی۔ اور کہا کہ آپ کی پسند کا ادارہ بنادیا جائے گا اور وسائل فراہم کر دیئے جائیں گے مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اسی طرح غلام اسحاق خان اور فاروق لغاری نے بھی بہت کوشش کی مگر آپ نے کمال عاجزی کے ساتھ معذرت کر لی۔

جب ریاض (سعودی عرب) ملک سعود یونیورسٹی قائم ہوئی تو آپ کو لیکچرار کی حیثیت سے دعوت دی گئی یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے تو آپ کی طرف سے نہایت خود دارانہ درویشانہ اور انتہائی مفید جواب دیا گیا آپ نے کنگ سعود یونیورسٹی میں ملازمت کی دعوت پر لکھا آج کل متعدد افریقی ممالک آزاد ہورہے ہیں' ان میں کافی مسلمان ہیں بعض ملک مسلم اکثریت کے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان ملکوں کے باشندوں کی اسلامی رہنمائی کے لئے فرانسیسی زبان میں ایک ماہانہ علمی رسالہ نکالا جائے۔ فرانس برطانیہ وغیرہ کے تسلط سے آزاد ہونے والے افریقی ممالک کے مسلمان عملاً دینی تعلیمات سے بے خبر رکھے گئے ہیں۔ ان کی دینی وعلمی تربیت کے لئے سعودی حکومت اگر اس منصوبہ کو فائنانس کرے تو میں ایسے میگزین کی ادارت وذمہ داری سنبھالنے کے لئے بغیر کسی تنخواہ کے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ اور یونیورسٹی کی خدمت کے لئے بھی مجھے کسی تنخواہ کی ضرورت نہیں۔ مگر سعودی عرب نے ڈاکٹر صاحب کے اس مفید مشورے کو قبول نہیں کیا تو ڈاکٹر صاحب نے ان کی رسمی ملازمت رد فرمادی۔

سعودی وخلیجی ملوک وشیوخ عام طور پر ایسے اداروں اور اشخاص کی امداد کرتے ہیں جو ان کی تعریف کے گن گائیں ان کی امداد کا بڑا حصہ یا تو نمائشی مساجد وعمارتوں کی نذر ہو جاتا ہے یا محدود نقطہ نظر رکھنے والے سلفی اسلام پیش

کرنے والوں کی جو لوگ اسلام کا انقلابی اور مغرب کو چیلنج کرنے والا تصور رکھتے ہیں یا خوص دینی وعلمی کام کرنا چاہتے ہیں ان کی خدمت کی ان حکومتوں کو کبھی توفیق نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب کی نظر میں ان کے علمی وتحقیقی کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ آپ پاکستان کے کسی علمی ادارہ کی سربراہی یا وزارت تعلیم کا منصب سنبھالتے تو مسکرا کر فرمایا' میں نے جس کام کیلئے خود کو وقف کیا ہے وہ کسی ملک کے وزیراعظم کے منصب سے زیادہ اہم ہے

ڈاکٹر صاحب کی عادات واخلاق: ڈاکٹر صاحب کی انکساری تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ان کے پاس جانا ہوا بار بار معذرت فرماتے رہے کہ میں آپ کی خدمت نہیں کر سکا مجھے معاف کر دیجئے۔ حدیث میں مہمان کے اکرام کی سخت تاکید وحکم ہے' زندگی بھر کھانا اپنے ہاتھ سے پکایا۔ آنے والوں کی ہر طرح ضیافت فرماتے اگر معلوم ہو جاتا تو خود ملنے کے لئے تشریف لانے میں پہل فرماتے۔ ڈاکٹر صاحب دبلے پتلے اور منحنی جسم کے تھے پیدل چلنے کے عادی تھے سفر ہمیشہ انڈر گراؤنڈ ٹرین یا بس کے ذریعہ فرماتے۔ پیرس کی انڈر گراؤنڈ ریل میں سفر تقریباً پورا کھڑے کھڑے کرتے جب کوئی خاتون نظر آتیں تو اسے اپنی سیٹ پر بٹھا دیتے اور خود کھڑے ہو جاتے۔ ۱۹۸۴ء میں بیلجیم میں تبلیغی جماعت کا عالمی اجتماع تھا ایک دن عصر کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تفریح کے لئے نکلنا ہوا ۱۵۔۲۰ منٹ چلے ہوں گے تو فرمایا اب آپ لوگ ہالینڈ میں داخل ہو گئے ہیں' اس سڑک کے اس طرف بیلجیم ہے اور اس طرف ہالینڈ ہے۔ ڈچ قوم (اہل ہالینڈ) کی خصوصیات بیان فرماتے رہے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اہل یورپ کے مزاج نفسیات' خصوصیات' جغرافیہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے کسقدر باخبر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ جب کمرے میں نماز پڑھتے بجلی آف کر دیتے کہ کہیں شیشہ میں سے اڑوس پڑوس کے لوگ نماز پڑھتے دیکھ لیں تو ظاہرداری اور نمائش عبادت نہ ہو جائے۔ یورپ میں سب سے پہلے فرانس میں تبلیغی جماعت کا کام شروع ہوا تھا۔ میوات کے ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب پڑھنے کے لئے پیرس آتے تھے فارغ اوقات میں تبلیغ کا کام کرتے' جب فرانس میں تبلیغی جماعتیں آنا شروع ہوئیں وہ ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچ جاتے اور ڈاکٹر صاحب شدید علمی مصروفیت کے باوجود کئی کئی گھنٹے انہیں گشت کرواتے' مقامی لوگوں سے ملواتے' تعارف کرواتے۔ تبلیغی جماعت کے لوگوں کے ساتھ اخیر تک بڑی محبت شفقت ہمت افزائی اور کرم فرمائی کا یہ تاثر رہا۔ فرانس کے تبلیغی ذمہ دار کہتے ہیں شروع میں ہم ڈاکٹر صاحب کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہچانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ وہ کس قدر اہم دینی خدمت اور علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں' وقت بے وقت ان کے پاس جماعت پہنچ جاتی ڈاکٹر صاحب ان کے ساتھ انتہائی شفقت فرماتے اور گھنٹوں گشت کرواتے۔ ہر مسلمان کی ایسی قدر فرماتے اس کے سامنے گویا بچھ جاتے اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش فرماتے' ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں اپنے حال کا اخفاء اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی' بندہ نے زندگی میں اتنی بے نفسی اور

عاجزی وفروتنی رکھنے والی شخصیت دوسری نہیں دیکھی۔ یہی تصوف کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔

تقویٰ احتیاط اور بے نفسی: آپ جب جنرل ضیاء الحق صاحب کی درخواست پر پاکستان تشریف لائے اور ان سے ملاقات کرنے گئے فوٹو گرافر نمودار ہوا تو کتاب چہرے کے سامنے پھیلا دی جنرل صاحب نے کہا کیا آپ تصویر کو جائز نہیں سمجھتے نہایت انکساری سے فرمایا مجھے تامل ہے مجھے تکلیف ہوتی ہے اسطرح نواز شریف کے فرانس کے دورے میں ملاقات کے وقت جب ٹی وی کیمرہ مین کمرے میں داخل ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور وزیراعظم سے کہا مجھے اس سے محفوظ رکھیئے تو وزیراعظم کے اشارے پر کیمرہ مین کمرہ سے نکل گئے۔ اس وقت عرب علماء ہی نہیں برصغیر کے تمام مسلک فکر کے علماء کی ہر میٹنگ اور محفل کی تصاویر دھڑلے سے چھپ رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب زندگی بھر خود کو ایک گناہگار مسلمان اور معمولی انسان گردانتے رہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں ہوتی ہے محنت زیادہ

اسی طرح ڈاکٹر صاحب تقویٰ واحتیاط کی بناء پر طویل زمانے تک گوشت کھانے سے پرہیز کرتے رہے۔ بیس برس پہلے ایک صاحب پاکستان سے ملاقات کے لئے آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا پیرس میں کوئی زحمت تو نہیں ہوئی انہوں نے جواب دیا بس ایک ہفتے سے گوشت نہیں کھایا۔ فرمایا جی ہاں تیس برس سے میں نے بھی نہیں کھایا۔

ہر عبقری اور عظیم شخصیت کی طرح ڈاکٹر صاحب کے بھی چند تفردات ہیں اس میں ایک یہ کہ وہ اپنے مطالعہ کی بناء پر انتہائی ناگزیری حالت میں عورت کی حکمرانی یا نماز میں امامت کے قائل تھے جبکہ صحیح احادیث کی بناء پر جمہور علماء اس کو درست نہیں سمجھتے۔ بندہ نے خود ڈاکٹر صاحب کا مفصل جواب لکھا تھا جو متعدد رسائل میں چھپا۔ اس پر فرمایا مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں۔

علم کا سمندر: جب بھی پیرس جانا ہوتا میری کوشش ہوتی کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات اور علمی استفادہ کروں کہ اس وقت دنیا میں اس قدر وسیع المطالعہ اور علم کا سمندر کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک بار ڈاکٹر صاحب سے پوچھا اخبارات میں حضرت علیؓ کو مولود کعبہ لکھا جاتا ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو فرمایا دور جاہلیت میں جب کعبۃ اللہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوتے تھے اس دور میں مکہ میں یہ عام دستور تھا کہ عورت کو جب دردزہ شروع ہوتا تو اسے کعبۃ اللہ کے اندر اپنے خداؤں کے سامنے لٹا دیتے اس طرح اس وقت ہر کوئی مولود کعبہ ہوتا تھا۔ پھر دریافت کیا مورخین نے حضرت معاویہؓ اور ان کے (عمال) گورنروں کے بارے میں لکھا ہے کہ جمعہ کے ممبر سے حضرت علیؓ اور ان کے لوگوں کو سخت سست کہا کرتے تھے فرمایا ہاں یہ درست ہے مگر ابتداء دوسروں کی طرف سے ہوئی تھی اور مسئلہ سیاسی تھا ایک بار دریافت کیا کہ آپ نے نکاح کی سنت پر عمل نہیں کیا تو ایک لمحہ توقف کے بغیر فرمایا میں سخت گناہ گار ہوں مجھے اس کا شدید احساس ہے

دعا کریں کہ اللہ مجھے معاف فرمائے۔ مزید فرمایا میں یتیم تھا' جب وقت تھا کسی نے توجہ نہ دی' پھر میں نے جب علم کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تو اس طرح توجہ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کی مغفرت فرمائے میں ترکِ سنت پر سخت نادم ہوں۔

غریب و نادار مسلمانوں کی خدمت: ڈاکٹر صاحب کا زندگی بھر اس مقولہ پر عمل رہا کہ داہنے ہاتھ سے صدقہ کرو' تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ مگر مشک کی خوشبو کہیں چھپی رہتی ہے۔ حال ہی میں جنگ کے کالم نگار ہارون الرشید لکھتے ہیں' ڈاکٹر صاحب ایک بار ۱۹۸۲ء میں لاہور تشریف لائے۔ ایک پبلشر سے رائیلٹی وصول کر چکے تو وہاں سے اٹھ کر سیدھے جنرل پوسٹ آفس تشریف لے گئے' منی آرڈر فارم طلب کئے' جیب سے ایک طویل فہرست نکالی' اور خود اپنے قلم سے سارے فارم فل کر کے تقریباً پوری رقم ڈاک خانہ والوں کے حوالہ کر دی۔ یہ دور دراز کے شہریوں میں بسنے والے محتاج و مفلس اور بیوہ عورتیں اور یتیم بچے تھے' اس فہرست کے لئے کتنی کھکھیڑ اٹھائی ہوگی۔ عربی' اردو' انگریزی' فرانسیسی' جرمن' ترکی' سپینش' اطالوی' کتنی زبانوں میں ان کی کتابیں چھپتی تھیں' اور کہاں کہاں سے روپیہ چلا آتا تھا' لیکن یہ سب کا سب بانٹ دیا جاتا خود اپنی گزر بسر کے لئے سوربون یونیورسٹی کی پنشن کا ایک حصہ بچا رکھتے چند ہفتہ پہلے (آخری بیماری سے) پنشن کی رقم نکلوانے بینک گئے تو معلوم ہوا کہ گھر سے جو چیک بک چوری ہوئی تھی کسی نوسر باز نے اس کے ذریعے ساری رقم نکلوائی۔ کچھ کہے بغیر لوٹ آئے کسی کو اطلاع دی نہ شکایت کی رنج نہ احتجاج۔ یہ کبھی زندگی کا دستور نہ تھا' ان کا دستور غنا تھا سحر سے شام ہوگئی شام سے سحر' جب تک دم میں دم تھا اپنے معمولات جاری رکھے' قرض لینا اور مدد مانگنا ان کے مسلک میں روا ہی نہ تھا۔ کئی دن اسی عالم بیت گئے' حتیٰ کہ بھوک سے بے دم ہو کر گر پڑے' ہسپتال لے جائے گئے معالجوں نے اس نادر روزگار کو پہچانا' تو وارثوں کی ڈھنڈیا پڑی۔ ایک بھتیجی امریکہ میں مقیم تھیں' طبیعت قدرے سنبھلی تو ان کے پاس پہنچا دیئے گئے' ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کوئی خاص بیماری نہ تھی بھوک نے نڈھال کر دیا تھا' حتیٰ کہ نقاہت بجائے خود مرض ہوگئی اور مشرق کا آفتاب ایک دن چپ چاپ مغرب کے ایک دور دراز شہر میں غروب ہوگیا۔

اللہ اللہ ایسے علم ایسی ناموری اس قدر پذیرائی کے باوجود زندگی اتنی خاموشی اتنی تنہائی اور اس قدر گمنامی میں گزاری جاسکتی ہے' اگر یہ کرامت نہیں تو کرامت کس کو کہتے ہیں' گویا عبداول کا کوئی مسلمان تھا جو بھٹک کر اس زمانہ میں آ گیا تھا ان کا نام مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا علی میاںؒ مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ لکھا جائے گا۔ لیکن اگر گستاخی نہ ہو تو سیاسی آلودگیوں سے دامن بچانے کے علاوہ فقر و سادگی اور نفی ذات میں وہ اپنے بعض جلیل القدر ہم عصروں سے بازی لے گئے (روزنامہ جنگ دسمبر ۲۰۰۲) اس علالت کے بعد جو بالآخر مرض الموت ثابت ہوئی آپ اپنے بھتیجے عطاء اللہ صاحب کی صاحبزادی محترمہ سعیدہ شفق کے ہاں فلاڈیلفا (امریکہ) منتقل

ہو گئے ۔تقریباً پانچ سال طویل علالت کے بعد ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء بروز بدھ سوا گیارہ بجے دن حالت مہاجرت و مسافرت میں خاموشی سے اس رحیم و کریم کی بارگاہ میں پہنچ گئے جو سب سے بڑا قدر دان ہے۔علامہ اقبال کے الفاظ ہیں:

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دیگر دانائے راز آید کہ ناید

اس قحط الرجال کے زمانے میں اب ایسے انسان کے پیدا ہونے کی کیا توقع ہے' ملت اسلامیہ ذہنی افلاس پستی کی جس انتہا پر ہے کہ اس نے ایسی شخصیت کی ذرا قدر نہیں کی' اگر ایسی شخصیت دنیا کی کسی اور قوم میں ہوتی تو قومی پیمانہ پر اس کا سوگ منایا جاتا' سارے ایوارڈ اور اعزازات اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جاتے۔مگر کسی مسلم ملک کے کسی سربراہ کا تو کیا دنیائے اسلام کے نامور رہنماؤں اور علماء دین میں سے کسی کا تعزیتی بیان تک نہیں آیا۔اب بھی اگر ملت اسلامیہ خاص طور پر برصغیر کی ملت مرحومہ کا کچھ حق ادا کرنا چاہے تو آپ کی علمی تحقیقات و تصانیف کو شایان شان طریق پر شائع کرنے کے لئے ایک فنڈ قائم کر کے آپ کی جملہ کتابوں اور علمی مقالات کو دنیا کی بڑی زبانوں میں شائع کرنے کی طرف توجہ دے۔

<u>علماء کرام کی ظاہر داری و بے اعتنائی:</u> ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جنہوں نے گزشتہ صدی میں شاید سب سے وسیع علمی و تحقیقی کام کیا' آپ کا بیشتر علمی کام قرآن' حدیث' فقہ و قانون اور سیرت پر ہے' مگر موجودہ دور کے علماء کی اکثریت آپ کے کام تو کیا نام تک سے بھی پوری واقف نہیں۔روزنامہ جنگ میں آپ کی وفات کی خبر آئی اور بعض کالم نگاروں نے آپ کی شخصیت پر نگارشات پڑھ کر انگلینڈ کے بہت سے علماء نے فون کیا' کہ ڈاکٹر حمید اللہ کون تھے ان کا قصور شاید یہی ہے کہ آپ علماء کے ظاہری لباس' جبہ و دستار عبا' وقبا سے بے نیاز سادہ سی قمیص پتلون کوٹ پہنتے تھے اور جناح کیپ لگاتے البتہ ڈاڑھی پوری تھی' اور اوصاف تو گویا قرآن اول کے مسلمانوں کے۔آپ نے سلوک کی ساری منزلیں علم کے راستے سے طے کر لیں تھیں۔طبقہ علماء میں ہستیاں جو جوہر شناس تھیں اور جو گدڑی میں لعل کو پہچان کر ان کے شایان شان سلوک کرتی تھیں' تیزی سے اٹھ گئی ہیں' ڈاکٹر صاحب کے مستقیم الفکر باعمل اور متقی مسلمان ہونے کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ان کی ساری زندگی اسلام اور اسلامی علوم کیلئے وقف رہی' اور انہوں نے اس میدان میں جلیل القدر خدمات انجام دیں کہ شاید ہی اس دور میں ان کا کوئی شریک ہو مگر یہ ظاہر داری ہی ہے' کہ موجودہ دور کے علماء کرام ان کی قدر دانی نہیں کر سکے۔

اپنی بے نوری پہ جب روتی ہے نرگس سالہا
دیدہ ور کاتب بڑی مشکل سے ہوتا ہے ظہور